پروفیسر: سید فخرالحسن

سلیمانی جامعیت اور عظمت کا سرسری جائزہ

علامہ ڈاکٹر سید سلیمان ندوی کی ہمہ جہت شخصیت کی ایک اہم ترین اور ہر لحاظ سے قابل قابل قدر جہت ان دینی اور ملی خدمات سے عبارت ہے جن کا آغاز موجودہ صدی کے پہلے عشرے سے ہوا اور پچاس سال کے عرصے تک پورے خلوص اور بھرپور انہماک سے جاری رہا۔

علامہ صوبہ بہار ضلع پٹنہ (عظیم آباد) موضع دلیسنہ کے سادات بہرام کے ایک علمی خانوادے میں ۲۳ صفر ۱۳۰۲ھ بروز جمعہ ۲۲ دسمبر ۱۸۸۴ء میں پیدا ہوئے۔ بقول صاحب حیاتِ سلیمان ان کے مورثِ اعلیٰ مشہد سے فاتح ہند شہاب الدین غوری کے ساتھ آئے اسی خاندان کے بزرگ سید میر حسن نے دلیسنہ کو اپنا مستقر بنایا۔ علامہ نجیب الطرفین سید تھے۔ گویا ننھیال اور ددھیال دونوں جانب سے شرف سیادت حاصل تھا۔ علمی اعتبار سے بھی دونوں گھرانے زمانہ قدیم سے علم وفن کا گہوارہ اور تصوف کی روشنی سے آشنا رہے تھے۔ علامہ کے نانا حکیم سید حیدر حسن دادا سید محمد بشیر عرف حکیم میر مہدی والد حکیم ابوالحسن برادر بزرگ حکیم ابو حبیب سب ہی جید عالم حاذق طبیب اور راہِ سلوک کے راہ رو تھے۔ سید صاحب کے خلیفہ الحاج مولانا ڈاکٹر غلام محمد صاحب تذکرہ سلیمان میں رقم طراز ہیں کہ خود سید صاحب فرماتے تھے کہ لڑکپن میں میں نے اپنے بڑے بھائی کے حسب ہدایت کچھ ذکر اور مراقبات بھی کئے اور ان کے حلقہ توجہ میں بیٹھا کرتا تھا اور ان کے فیض سے اپنے اندر پاکی محسوس کرتا تھا (معارف صفحہ ۲۰۵) علامہ کے اوائل عمر میں موصوف سید ابو حبیب صاحب بغرض اصلاح معاشرہ خواتین کو وعظ دیا کرتے تھے اور علامہ سے مولانا اسمٰعیل شہید کی تصنیف تقویۃ الایمان پڑھوایا کرتے تھے اور خود اس کے مطالب سمجھاتے تھے اس کے نقوش علامہ کے دل

ودماغ پر ایسے مرتسم ہوئے کہ آپ فرماتے ہیں :

"کہ یہ تقویۃ الایمان پہلی کتاب تھی جس نے مجھے دین حق کی باتیں سکھائیں اور ایسی سکھائیں کہ اثنائے تعلیم ومطالعہ میں بیسیوں آندھیاں آئیں کئی دفعہ خیالات کے طوفان اٹھے مگر اس وقت جو باتیں جڑ پکڑ چکی تھیں ان میں سے ایک بھی اپنی جگہ سے نہ ہل سکی۔ علم کلام کے مسائل، اشاعرہ و معتزلہ نگاہوں کے سامنے سے گذرے مگر اسمٰعیل شہید کی تلقین اپنی جگہ پر قائم رہی"۔

(میری محسن کتابیں)

علامہ ۱۸۹۹ء میں پھلواری شریف گئے جہاں ابتدائی تعلیم حاصل کی وہاں سے مدرسہ امدادیہ دربھنگہ بھی گئے اور بالآخر ۱۹۰۱ء میں ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخل ہوئے پانچ سال رہ کر ۱۹۰۶ء میں فارغ التحصیل ہوکر نکلے۔

علامہ سید سلیمان ندوی کے ابتدائی تعلیمی دور میں ندوہ کے صدر مدرس مولانا فاروق چڑیاکوٹی تھے جو ادب اور معقولات کے امام تھے سید صاحب مولانا فاروق چڑیاکوٹی کی طرز تعلیم کے بارے میں لکھتے ہیں کہ موصوف کے طرز تعلیم نے چند ہی دنوں میں یہ کیفیت پیدا کر دی کہ آنکھوں سے پردے ہٹ گئے اور وہ مسئلے جو پہلے استادوں کے سمجھانے سے سمجھ میں نہیں آتے تھے وہ روز روشن کی طرح نظر آنے لگے۔ وہ جو پڑھاتے عملی طور پر پڑھاتے تھے اور اس کی مشق کراتے وہ کتاب نہیں پڑھاتے تھے بلکہ فن کے مسائل پڑھاتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ طالب علم پر قابو پالیتا۔ سید صاحب فرماتے ہیں کہ ان کے طرز تعلیم کی بہتری کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ مولانا شبلیؒ جیسا کامل ان کی درسگاہ سے پیدا ہوا۔ ابتدائی چار پانچ سال علامہ کو موصوف سے تلمذ رہا۔ ۱۹۰۵ء میں علامہ شبلی ندوہ میں آگئے سید صاحب کو اپنی علمی زندگی میں اصلی راہ نمائی علامہ شبلی ہی سے حاصل ہوئی البتہ درسیات میں علم حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء کے استاد اول محدث جلیل مولانا حفیظ اللہ صاحب سے اور فقہ مولانا مفتی عبداللطیف سے حاصل کیا[1] ندوہ سے تو علامہ ۱۹۰۷ء میں فارغ ہوگئے لیکن علامہ شبلی سے تعلقِ تلمذ موصوف کی وفات تک رہا۔

---

[1] تذکرہ سلیمان ص ۴۳ دوسرا ایڈیشن

یہ علامہ سید سلیمان ندوی کی خوش قسمتی تھی کہ انھیں نادر روزگار اور بے مثال اساتذہ میسر آئے خصوصاً عربی ادب اور منطق میں مولانا فاروق چڑیاکوٹی جن کا ثانی کیا ہندوستان کیا عالم اسلام میں نہ تھا جدید علم الکلام اور جدید عربی ادب میں اردو کے جادو رقم انشاء پرداز فارسی کے شعلہ نوا شاعر، شعرالعجم، الفاروق، المامون، علم الکلام، الکلام، سوانح مولانا روم، موازنہ انیس و دبیر، وغیرہ کے مصنف علامہ شبلی جو جدید اور قدیم افکار کے سنگم تھے جنھیں ایک طرف مولانا فاروق مولانا فیض الحسن مولانا احمد علی محدث شاہجہاں پوری اور مولانا ارشاد حسین جیسے قدیم مدرسہ فکر کے مسلم الثبوت اساتذہ سے تلمذ رہا۔ دوسری طرف جدید مدرسہ فکر کے پروفیسر آرنلڈ جیسے یورپین اساتذہ سے بیک وقت رشتہ استادی، شاگردی اور دوستی رہا اس تعلقِ خاطر سے انہیں جدید علوم سے واقفیت ہوئی اور ان میں وسیع النظری پیدا ہوئی۔ علامہ شبلی صرف منطق کے استاد ہی نہ تھے بلکہ ایک طرح اعلٰی منطق بھی ان کا علاقہ رہا تھا۔ انہوں نے باقاعدہ وکالت بھی کی تھی ان نابغۂ روزگار اساتذہ یعنی مولانا فاروق اور علامہ شبلی کے تو علامہ سیلمان ندوی شاگرد تھے پھر اوائل عمر میں اپنے برادر بزرگوار کے حلقہ میں جا بیٹھے اور خصوصیت سے مولانا اسمٰعیل شہید کی کتاب تقویت الایمان کی ابتدائی عمر میں تفہیم غرضیکہ ان جملہ عوامل نے وہ بالغ نظری شعور کی پختگی، اصابتِ فکر اور سب سے بڑھ کر ایمان کی پختگی عطا کی کہ علم الکلام کے مسائل اور اشاعرہ اور معتزلہ کے نازک اختلافات بھی ان کے پائے استقامت کو متزلزل نہ کرسکے۔ اور وہ فلسفہ اور منطق جس نے ابن رشد اور رازی کو جنت، دوزخ، پل صراط وغیرہ کی تجسیم کا منکر بنایا اسی منطق اور فلسفہ اور علم الکلام سے علامہ نے ان چیزوں کے وجود کا اثبات کیا۔ پختگی فکر اور اصابت رائے کی اس سے بڑی دلیل ہوگی کہ وہ بڑے فن کار اور عیار مستشرق کی متعصبانہ اور منافقانہ تحریک کے دام میں نہ آئے اور ان کے خبث باطنی کو بھانپا۔ بین السطور کو سمجھا اور انہوں نے منطقی مغالطوں اور اس قبیل کے علم الکلام کی شاطرانہ چالوں سے اسلام اور پیغمبر اسلام پر جو اعتراضات کئے تھے ان کا بھرپور، خاطر خواہ اور مثبت جواب دیا۔

اس دور میں اسلام اور پیغمبر اسلام پر ہر طرف سے حملے ہو رہے تھے۔

عیسائی مشنریاں تھیں جنھوں نے اسلام اور مسلمانوں پر اعتراضات کا طوفان اٹھا رکھا تھا۔

ان کا ساتھ متعصب مستشرق دے رہے تھے۔

وہ مستشرق تھے جو اسلام اور پیغمبر اسلام کی شان میں رطب اللّسان تھے اور مسلمانوں اور اسلام کی خوب خوب تعریف کرکے اپنے آپ کو غیر متعصب ثابت کرتے پھر دبی زبان سے کچھ ایسی باتیں کہہ جاتے جس کے مضر اثرات بڑے دوررس اور تباہ کن ہوتے اور جدید تعلیمیافتہ طبقہ میں بدگمانیاں پیدا کردیتے حتیٰ کہ جدید تعلیم یافتہ مسلمان بھی اسلام سے بدظن ہوجاتے تھے۔

آریہ سماجیوں نے باقاعدہ منصوبہ بندی کے ساتھ راجستھان کے طویل وعریض علاقہ کو اپنی سرگرمیوں کی آماجگاہ بنایا تھا اور نومسلم راجپوتوں اور میواتیوں کو مرتد بنا رہے تھے۔

یورپ کے متعصب مستشرقین کے اتباع میں متعصب ہندو مورخوں نے بھی اسلام اور مشاہیر اسلام پر بے سروپا اعتراضات شروع کردیئے۔

بعض آزاد منش علماء وادیبوں اور شاعروں نے بھی اسلام کو تختہ مشق بنانا شروع کردیا۔

ان تمام حملوں کا جواب علامہ نے کس کس طرح دیا اور اس کے علاوہ اندرون ملک اور بیرون ملک کیا کیا ملی اور قومی خدمات انجام دیں ان کا احاطہ تو اس مضمون میں ممکن نہیں البتہ ان کاوشوں کی جانب صرف اشارہ کیا جاسکتا ہے۔

آریہ سماج نے منظم طور پر ہندوستان کے طول وعرض میں مسلمانوں کو شدھی بنانے کی مہم بڑے پیمانے پر جاری کر رکھی تھی اور جوق در جوق نومسلم کفر وضلالت کے جہنم میں داخل ہورہے تھے علامہ شبلی نے اس کے سدباب کے لئے ۱۹۱۲ء کو مجلس اشاعت وحفاظتِ اسلام کے نام سے قائم کی اور علامہ سید سلیمان ندوی کو اس کا جوائنٹ سیکریٹری مقرر کیا۔

علامہ شبلی نے اسلامی تواریخ میں اسلام اور اہلِ اسلام کے بارے میں مستشرقین کی منافقانہ اور متعصبانہ تحریروں اور تاریخی اعلان کا پردہ چاک کرنے کے لئے ندوہ میں شعبہ قائم کیا اور علامہ کو اس کا معتمد مقرر کیا۔ رسمی معتمدی سے گذر کر یہ علامہ کے لئے تمام عمر کا مشغلہ ہوگیا تھا۔

مستشرقین کی تقلید میں ہندوؤں اور مرہٹوں نے زہر اگلنا شروع کردیا تھا چنانچہ "مرہٹی انسائیکلوپیڈیا" میں آنحضرتؐ کی ذات گرامی پر بڑے رکیک حملے کئے گئے تھے۔ علامہ سید سلیمان ندوی نے زوری ۱۹۲۶ء کے معارف میں اس پر شدید احتجاج کیا اور چیف ایڈیٹر کو اپنی غلطی کا اعتراف کرنے پر مجبور کردیا۔ یہی نہیں جب بھی اسلام، پیغمبر اسلام، مشاہیر اسلام یا شعائر اسلام کے خلاف کسی

انگریز، ہندی نژاد عیسائی، یہودی یا ہندو حتّٰی کہ مسلمان نے زہر افشانی کی تو علامہ سینہ سپر ہوکر میدان میں نکل آئے۔ جس کی مثال جوش اور نیاز سے معرکے ہیں[1]۔ اس کے علاوہ ہمارے اس دعویٰ کی شاہد عادل سیرۃ النبیؐ کی ضخیم جلدیں ارض القرآن اور بے شمار مقالات ہیں جو وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہتے ہیں۔ فرنگی استعمار کے ہاتھوں ۱۹۱۳ء میں مسجد کانپور کی شہادت اور لاتعداد معصوم بے گناہ اور نہتے کمسن بچوں، نوجوانوں اور بوڑھوں پر اندھا دھند بھیانک اور وحشیانہ فائرنگ جس کے نتیجے میں زمین کانپور لالہ زار بن گئی تھی اس المناک، ہولناک اور اندوہ گیں حادثہ پر "مشہد اکبر" کے عنوان سے "الہلال" میں علامہ نے ایسا پر جوش مضمون لکھا کہ حکومتِ برطانیہ لرز کر رہ گئی اور حکومت کو اس جریدے کی تمام کاپیاں ضبط کرتے ہی بنی۔

علامہ شبلی سیرت النبیؐ کی دو جلدیں ہی لکھنے پائے تھے کہ ۱۹۱۴ء میں ان کا انتقال ہوگیا۔ شبلی کے بعد بقیہ پانچ جلدوں کی تکمیل علامہ سید سلیمان ندوی کا وہ لاثانی اور لازوال کارنامہ ہے کہ صرف وہی انہیں شہرت دوام بخشنے کے لئے کافی ہے۔ بقول شخصے سیرۃ النبیؐ سے بہتر ضخیم اور جامع کتاب دنیا کے کسی شخص کی سیرت پر دنیا کی کسی زبان پر نہیں لکھی گئی۔ اس کتاب میں جہاں افضل الانبیاء کی سیرت کے ایک ایک گوشہ کو قرآن و حدیث سے تطبیق دے کر بیان کیا ہے اور جس تحقیق و تنقید سے کھوٹے کھرے کو پرکھا ہے اور کامل معیار کو پیش کیا ہے۔ وہ علامہ ہی کا حصہ ہے اور اس ہی ذیل میں مستشرقین اور معاندین کے آنحضرتؐ کی ذات گرامی پر تقریباً تمام اعتراضات کا جواب منطقی استدلال اور علمی انداز میں دیا ہے۔

اس کے علاوہ خطبات مدراس سیرت النبیؐ پر آٹھ لیکچرز ہیں یہ کتاب گو اردو میں شائع ہوئی۔ لیکن اس قدر مقبول ہوئی کہ انگریزی کے علاوہ دنیا کی متعدد زبانوں میں اس کے تراجم ہوئے اور تراجم کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ سیرۃ النبیؐ پر ایک کتاب رحمتِ عالم[2] لکھی جو بچوں کے لئے ہے آج بھی مختلف اسکولوں کے نصاب میں داخل ہے۔

علامہ شبلیؒ نے وفات سے چند سال پہلے فارغ التحصیل باذوق طلباء کو تصنیف و تالیف

---

[1] تذکرہ سلیمان ص۳۷ [2] یہ کتاب عام قارئین کے لئے بہت مفید ہے۔

کی مشق کرلتے، اہم علمی، ملّی اور مباحث پر کتابیں لکھوانے اور بلند پایہ تصانیف کی اشاعت کے لئے دارالمصنفین کی بنیاد ڈالی تھی اور اپنا بنگلہ اور وسیع باغ اس کے لئے وقف کردیا تھا اور اپنی اور اپنے اعزء کے ذاتی کتب خانہ کی کتابیں دارالمصنفین کو منتقل کردی تھیں۔ نیز حیدرآباد دکن کی اپنے نام تین سو روپے ماہوار آمدنی دارالمصنفین کو منتقل کردی تھی لیکن یہ ایک بہت بڑا ادارہ اور عظیم الشان منصوبہ تھا اور تکمیل سے بالکل ابتدائی مراحل میں تھا کہ علامہ شبلی رحلت فرما گئے۔ علامہ سید سلیمان ندوی نے اس منصوبہ کی تکمیل ہی نہیں کی بلکہ اس کو بام عروج پر پہنچایا۔ سینکڑوں معرکۃ الآراء، نایاب اور بے مثل کتابیں ہی دارالمصنفین نے شائع نہیں کیں بلکہ اس ٹکسال نے کئی اہل قلم ڈھالے جن کی جادونگاری کی برصغیر میں دھوم ہے اس کے علاوہ ایک بلند پایہ علمی، ادبی، مذہبی اور اسلامی موضوعات پر اعلیٰ درجہ کے مضامین شائع ہوتے تھے بقول شاہ معین الدین نے "اسلامیات کی مختلف شاخوں پر مضامین کا اتنا بڑا ذخیرہ جمع کردیا جس سے اسلامی انسائیکلوپیڈیا مرتب کی جاسکتی ہے" بحمد اللہ دارالمصنفین اور معارف آج بھی جاری ہیں۔

علمائے ہند کے واحد نمائندہ کی حیثیت سے وفد خلافت کے رکن کے طور پر یورپ تشریف لے گئے اور لندن، سوئٹزرلینڈ، فرانس، اٹلی اور دیگر اہم اتحادی ممالک کے دورے کئے اور اتحادی ملکوں کی رائے عامہ کو مسلمانوں کے حق میں ہموار کیا۔ اور اپنے مطالبات برطانوی حکومت اور دیگر اتحادی وزراء کو پیش کئے۔ یہاں آٹھ ماہ کے قیام کے دوران مسلمانوں کے خلاف یورپی ممالک کے اخبارات و جرائد میں جو مضامین شائع ہوتے علامہ ان کا جواب دیتے۔ یہ دورہ دوررس سیاسی نتائج کا حامل قرار دیا گیا۔ عظیم سیاستدان راجندر پرشاد اور ڈاکٹر علامہ سر محمد اقبال نے علامہ کی خدمات کو بہت سراہا۔

۱۹۲۴ء میں جب سلطان ابن سعود اور شریف مکہ میں جنگ ہوئی تو مسلمانانِ ہند نے مجلسِ خلافت کی تجویز پیش کی اور سید صاحب کی قیادت میں وفد حجاز بھیجا دو ماہ حجاز میں رہا۔ سید صاحب نے اپنی تقریروں اور تحریروں سے رائے عامہ کو ہموار کیا، علماء اور اکابر سے مراسلت اور ملاقاتیں کیں اور انہیں اپنا ہمنوا بنایا۔ عالمی اخبارات نے علامہ کی صلاحیتوں اور کارکردگی کی بڑی تعریف کی۔

۱۹۲۶ء میں ابن سعود نے موتمر عالم اسلامی مکہ معظمہ میں طلب کی جس میں ترکی، مصر،

افغانستان، یمن اور دوسرے اسلامی ممالک شریک تھے۔ مسلمانانِ ہند نے سید صاحب کی سربراہی میں وفد بھیجا۔ عالمِ اسلام کے نمائندوں نے سید صاحب کو نائب صدر بنایا اور صدر کی عدم موجودگی میں سید صاحب نے صدارت کی۔ یہ اعزاز آج تک کسی ہندی کو نہیں ملا۔

۱۹۳۰ء میں نادر شاہ، افغانستان نے سر راس مسعود، ڈاکٹر سر محمد اقبال اور سید صاحب کو کابل یونیورسٹی میں عربی اور مذہبی تعلیم کے نصاب کی اصلاح اور تراجم و تالیف کا دائرہ کار وسیع کرنے کے طریق کار منضبط کرنے کے لئے مدعو کیا۔ علامہ نے شاہ کو افغانستان میں مروجہ عربی اور مذہبی تعلیم میں نقائص کی نشاندہی کی اور ان کی اصلاح کا طریقہ بتایا نیز یہ بتایا کہ طریقۂ تعلیم نظامِ تعلیم اور نصابِ تعلیم میں رفتہ رفتہ اصلاح کی جائے اور ایسے علماء پیدا کئے جائیں جو نوجوان نسل کے نوجوانوں کی رہبری کرسکیں اور مفید اصلاحات کی پیش رفت میں مدد دے سکیں

۱۹۴۶ء سے ۱۹۵۰ء تک ریاست بھوپال میں قاضی القضاۃ کے عہدہ جلیلہ پر فائز رہے اور ساتھ ہی دار العلوم احمدیہ بھوپال کے صدر بھی رہے۔ ریاست بھوپال کے انضمام کے بعد بددل ہو کر مستعفی ہو گئے۔ پنجاب یونیورسٹی اور مسلم یونیورسٹی علیگڑھ دونوں کوشاں تھے کہ علامہ ان کے یہاں آجائیں لیکن موصوف نے دار المصنفین کے بعد کسی ادارے سے تعلق پسند نہ کیا مگر پاکستان میں اسلامی دستور سازی میں اس وقت کے وزیر اعظم شہید ملت لیاقت علی خان نے علامہ کی رہنمائی کی شدید ضرورت محسوس کی اور بہ اصرار حضرت علامہ کو پاکستان بلوایا۔ علامہ نے بحیثیت صدر بورڈ تعلیماتِ اسلامی، اسلامی دستور، کا ایک خاکہ مرتب کرکے اربابِ حکومت کے حوالے کردیا مگر حکومت نے عملاً اس سے نہ فائدہ اٹھایا نہ کوئی دستور بنا سکی۔ اگر اس وقت دستور سازی اسلامی خطوط پر ہو گئی ہوتی تو آج پاکستان دینی اور ثقافتی اعتبار سے ترقی کی اوج پر ہوتا۔ علامہ نے مختلف مکاتیب فکر (بریلوی، اہل حدیث، دیوبندی، شیعہ، سُنّی) سے تعلق رکھنے والے اکتیس علماء کا ایک اجلاس بلوایا اور متفقہ دستوری خاکہ پیش کردیا جس میں بنیادی کمیٹی کی رپورٹ کالعدم ہو گئی۔ اسی زمانے میں علامہ کے اصرار پر وزیر اعظم نے لاکمیشن کے قیام کا اعلان کیا جس کا مقصد مروجہ قوانین پر نظر ثانی کرکے ان کو شریعت کے مطابق ڈالنا تھا۔ اس کے یہ ارکان تھے جسٹس عبد الرشید، جسٹس میمن اور سید صاحب اور مفتی محمد شفیع صاحب مگر اس کمیشن کے کام کو

بھی روایتی تساہل پسندی کے نہج پر حکومت نے چلایا اور جب کچھ عرصہ ہی میں علامہ رحلت فرماگئے تو اس کمیشن کو بھی برخواست کر دیا۔

جب لیاقت علی خان کی حکومت نے دیدہ دانستہ حضرت علامہ کی سفارشات کو طاقِ نسیاں میں رکھ کر سرکاری کمیٹی کی رپورٹ شائع کی جس کی بنیاد دین پر نہیں تھی۔

سید صاحب کا ایک اورکارنامہ مختلف اسلامی ملکوں کے درمیان ربط و ضبط اور اتحاد کی فضا قائم کرنا تھا انہوں نے اسلامی ممالک سے مشاہیر، علماء، فضلا اور اکابر زعماء کا ایک جلسہ علمائے اسلام کے نام سے کراچی میں منعقد کیا جو تین دن (۱۴، ۱۵، ۱۶ فروری ۱۹۵۲ء) جاری رہا اس میں مفتی اعظم فلسطین اور عراق و ایران اور دیگر اسلامی ملکوں کے علماء نے شرکت کی۔ پہلے دن کی صدارت سید صاحب نے کی دوسرے دن مفتی اعظم فلسطین نے۔ ان اجلاسوں میں دوسری مذہبی اور اسلامی تجاویز کے علاوہ سب سے اہم یہ تجویز منظور ہوئی کہ مختلف اسلامی فرقوں کے درمیان اور ارتباط اور رواداری کی فضا قائم کی جائے۔

علامہ سید سلیمان ندوی کی بے پناہ علمی، ادبی، قومی و ملّی خدمات کے عرب و عجم دونوں معترف تھے ان کی علمی خدمات کے اعتراف کے طور پر مسلم یونیورسٹی علیگڑھ نے انھیں ایل ایل ڈی کی اعزازی ڈگری دی اور مصر کی بہت بڑی علمی و ادبی اکادمی "مجمع العلمی الادبی" نے انہیں اپنا رکن بنایا پاکستان تشریف لانے کے بعد کراچی یونیورسٹی سینیٹ کے ممبر بھی نامزد ہوئے

معاصر علماء میں سید صاحب کی شخصیت ایسی ممتاز تھی کہ پاک و ہند کے علاوہ اکثر اسلامی ممالک میں علمی، ادبی اور ملّی تحریکوں میں ان کی شرکت اور راہ نمائی ضروری سمجھی جاتی تھی۔